[redacted]

دورِ حاضر میں دینی تعلیم کی صورتیں

مولانا فیض الرحمٰن عثمانی

دینی تعلیم کی تین شکلیں ممکنہ طور پر ہوسکتی ہیں، ان میں سے ایک شکل تقریباً ہر جگہ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے، اسے ہر صورت باقی رکھنے اور مزید بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ دوئی شکلوں کو بروئے کار لانا دینی ضرورت ہے۔

دینی تعلیم کی پہلی شکل: دینی تعلیم کی پہلی شکل سے میری مراد اسلامی وعربی علوم کی تعلیم کا وہ نظام ہے جو دینی مدارس ومعاہد کے نام سے معروف ہے، دینی مدارس اور اسلامی معاہد کے اس عظیم الشان سلسلے کی برکت اور افادیت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، ان دینی اداروں سے مجھ ناچیز کی وابستگی تقریباً چالیس سال سے ہے، گزشتہ بیس برس سے تو ایک دینی تعلیمی ادارے (ادارہ علوم اسلامی اسلام آباد) کی خدمت مستقل طور پر بندہ کے سپرد ہے، اس سے قبل تقریباً بیس سال کا عرصہ حصول علم اور مدارس ومساجد کے ساتھ وابستگی میں گزرا، اس دوران اندرون وبیرون ملک مدارس اور عصری تعلیمی اداروں کو دیکھنے، ان کے طلباء اور فضلاء سے ملنے اور جن ممالک میں جانا نہیں ہوا، ان کے دورے کرنے والے ثقہ اہل علم سے وہاں کے حالات سننے سے یہ ناچیز اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اسلامی اور عربی علوم میں پختگی کا جو سامان دینی مدارس میں موجود ہے، وہ کسی کالج اور یونیورسٹی میں نہیں۔

مدارس کے نصاب ونظام میں تبدیلی: جہاں تک مدارس کے نظام میں مزید بہتری لانے کی بات ہے تو اس سلسلے میں خود دینی مدارس سے وابستہ بزرگ واکابر حضرات مدارس کے نظام ونصاب میں تبدیلی کا وقتاً فوقتاً مشورہ دیتے چلے آرہے ہیں، تاکہ نتائج وثمرات کے لحاظ سے یہ ادارے ہر دور کے تقاضوں پر پورا اتر سکیں، لیکن آج کل جو ایک ہوا چل پڑی ہے کہ ہر کس وناکس اہل مدارس کو اصلاح نظام ونصاب کے مشورے دے رہا ہے، اس کے پیچھے عموماً مثبت فکر کار فرما نہیں ہوتی۔ دینی علوم کے نصاب کی اصلاح کا مشورہ دینے والے لوگوں کے تین طبقات ہیں:

● وہ حضرات علماء کرام جن کا دینی علوم اور دینی مدارس کے ساتھ براہ راست تعلق ہے اور انہیں دینی علوم کی تعلیم تعلم کا باقاعدہ تجربہ حاصل ہے۔ ● وہ مخلص اور دین کا درد رکھنے والے مسلمان جو دینی علوم سے براہ راست کوئی واقفیت نہیں رکھتے اور انہیں اس میدان کا کوئی تجربہ بھی نہیں۔ ● وہ لوگ جنہیں دینی مدارس، دینی علوم اور علماء دین کے

ساتھ بغض وعناد ہے۔

مذکورہ بالا تیسرا گروہ دینی مدارس کو وقتاً فوقتاً تجویز دیتا رہتا ہے کہ ان اداروں میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ انجینئرنگ اور طب وغیرہ کی تعلیم دی جائے اور دیگر مختلف ہنر بھی سکھانے کے انتظامات کئے جائیں تاکہ علم سے فراغت کے بعد ان اداروں سے نکلنے والے لوگ معاشرے پر بوجھ نہ بنیں اور اپنی روزی کما سکیں۔ اس طبقہ کے پروپیگنڈے سے دینی علوم اور مدارس دینیہ سے براہِ راست واقفیت نہ رکھنے والے بعض مخلص مسلمان بھی متأثر ہو کر دینی مدارس کو اسی قسم کے مشورے دینے لگے ہیں۔

یہ باتیں بظاہر جتنی پرکشش اور درست نظر آتی ہیں، درحقیقت اتنی ہی نادرست اور ناقابل عمل ہیں کیونکہ دینی علوم پڑھنا پڑھانا بجائے خود ایک تخصص Specialization ہے۔ یہ اپنے ساتھ ہلکے پھلکے عصری علوم یعنی آرٹس کے مضامین کو تو برداشت کر لے گا مگر انجینئرنگ، طب اور دیگر فنون کا بھاری بوجھ اس نظام کو یکسر بگاڑ دے گا۔ کیا کسی میڈیکل کالج والوں کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہاں انجینئرنگ پڑھائیں؟ اسی طرح کسی انجینئرنگ کالج میں طب پڑھانے پر کبھی زور دیا گیا ہے؟ آخر دینی مدارس ہی کو یہ مشورہ کیوں دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہاں سائنسی علوم پڑھائیں؟

اصل تجویز تو یہ ہونی چاہیے تھی کہ حکومت کی سرپرستی میں چلنے والے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ بقدر ضرورت دینی علوم پڑھانے کا بندوبست بھی کیا جائے۔ اس تجویز کی یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے کہ صرف دینی علوم پڑھ کر دینی خدمات سرانجام دینے والے لوگ معاشرے پر بوجھ ہوتے ہیں۔

کسی کالج سے گریجویشن کرنے میں اپنا وقت، توانائی، اور پیسہ خرچ کرنے کے بعد اگر کوئی گریجویٹ کسی دفتر میں کلرک بن کر وہاں سے تنخواہ لیتا ہے تو کیا وہ معاشرے پر بوجھ ہوتا ہے؟ ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کرنے والا کوئی ڈاکٹر جب کسی ہسپتال میں ملازم ہو کر تنخواہ لیتا ہے تو کیا وہ معاشرے پر بوجھ ہوتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر کئی سال تک دینی علوم پڑھنے والا طالب علم جب فراغت کے بعد کسی مسجد میں خطابت یا مدرسے میں تدریس کر کے تنخواہ لیتا ہے تو وہ آخر معاشرے پر بوجھ کیوں ہوتا ہے؟ یہ کتنی بے وزن اور بے دلیل بات ہے! مگر بظاہر بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ اس قسم کی باتیں آئے دن کرتے رہتے ہیں، اصل میں یہ لوگ کہنا تو یہ چاہتے ہیں کہ مسجد اور مدرسہ کوئی ضروری چیز نہیں اور ظاہر ہے کہ غیر ضروری چیز پر خرچ کرنا معاشرے پر بوجھ کے سوا کچھ نہیں سمجھا جا سکتا۔

اب میں ان حضرات کی رائے پیش کرنا چاہوں گا جن کا دینی مدارس اور دینی علوم کے ساتھ براہِ راست تعلق ہے، یہ حضرات بھی مدارس کے نصاب ونظام میں تبدیلیوں کی بات عرصہ سے کر رہے ہیں مگر یہ حضرات جس قسم کی تبدیلی چاہتے ہیں وہ تعمیری تبدیلی ہے۔ میں اس مقام پر پاکستان کے چوٹی کے دو علماء کرام کی آراء نقل کرنے پر اکتفا کروں گا۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے: ''اگر ہمارے متقدمین اپنے زمانے کی ضروریات

کے پیش نظر فارسی زبان کو اپنا سکتے ہیں، یونانی منطق وفلسفہ اور ریاضی کی تعلیم کو نصاب کا ایک بڑا جز بنا سکتے ہیں تو ان کا اتباع آج اس میں نہیں کہ ہم اس وقت بھی وہی منسوخ شدہ سکے لے کر بازاروں میں پھریں بلکہ وقت کی ضرورت کے مطابق انگریزی زبان اور فنون جدیدہ کو پڑھنا پڑھانا وہی درجہ رکھے گا جو اس زمانے میں فارسی زبان اور یونانی فلسفہ کا تھا، اگر آج اس حقیقت کو سمجھ کر ہمارے علماء فارسی زبان کی جگہ انگریزی کو اور یونانی فلسفہ کی جگہ جدید سائنس اور فلسفہ کو دے دیں تو یہ علوم دینیہ کی تعلیم میں کوئی غلط تصرف ہے اور نہ ہی یہ اسوۂ اسلاف سے مختلف ہے''۔(طلبۂ علم دین سے خطاب، شائع کردہ: ادارۂ اسلامیات)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رائے: ''مدارس کے نصاب تعلیم کی تجدید وترمیم واصلاح کی ضرورت ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ اپنے زمانے میں کافی نہ تھا یا صحیح استعداد پیدا کرنے سے قاصر تھا، بلکہ مزید علوم جدیدہ یا معلومات عامہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ وقت کے تقاضے بدل گئے، طبیعتوں سے سانچے بدل گئے، اذواق وافکار میں فرق آ گیا، عبارتی دقت اور موشگافیوں کے لئے مزاجوں میں صلاحیت نہیں رہی..... اگر غور کیا جائے تو ہمارے مدارس میں بیس بائیس علوم کی تقریباً سو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان پر جہاں تک راقم الحروف نے غور کیا، بمشکل دس کتابیں ایسی ہیں جن کا ہمیں بدل نہیں ملے گا۔ بقیہ سب کا نعم البدل قدماء کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔ ہم ان قدیم علوم کو ہٹانا نہیں چاہتے بلکہ ان علوم میں صحیح مہارت وقابلیت پیدا کرنے کے لئے بہتر کتابوں کو داخل کرنا چاہتے ہیں اور یہ ان علوم اسلامی کی خیر خواہی کے لئے چاہتے ہیں اور امت حاضرہ کے مفاد کے پیش نظر یہ خواہش رکھتے ہیں۔ جدید نصاب تعلیم میں جو بنیادی خطوط ہیں، میرے ناقص خیال میں اس کے تین نقطے ہیں: (الف) تخفیف، یعنی نصاب مختصر ہو، جس کی فراغت وحصول میں بہت زیادہ عرصہ کی ضرورت نہ ہو۔ (ب) تیسیر: یعنی نصاب میں مندرجہ کتابیں سہل وسلیس زبان میں ہوں، پیچیدہ ودقیق نہ ہوں۔ (ج) محو واثبات یا اصلاح وترمیم: یعنی بعض غیر اہم فنون کو ساقط کر کے جدید مفید علوم کا اضافہ ہو۔ اس ماحول میں اگر ہم اب بھی ان غیر اہم وسائل پر جمے رہیں گے تو علوم اسلامیہ سے توجہات ہٹ جائیں گی اور ہمارا یہ طرز عمل ہمارے اکابر وسلف کی اس ''تراث فاخر'' اور اس علمی ثروت وسرمایہ کو فنا کے گھاٹ اتار دے گا''۔(حوالہ: میری علمی ومطالعاتی زندگی)

آپ نے ان جلیل القدر علماء کرام کی آراء ملاحظہ فرمائیں، یہ اور اس قسم کی مبنی بر تجربہ آراء جو وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہتی ہیں، ان کے نتیجے میں جدید تقاضوں کا احساس بیدار ہوا ہے اور وفاق المدارس العربیہ سمیت دیگر تنظیمات مدارس کی طرف سے نظام ونصاب پر نظر ثانی کا سلسلہ جاری ہے، وفاق المدارس نے تو نصاب پر مسلسل نظر رکھنے کے لئے جید علماء پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی ہوئی ہے، اس سے بجا طور پر توقع کی جاسکتی ہے کہ مسلسل غور وخوض کے نتیجے میں تبدیلیوں کا عمل جاری وساری رہے گا اور دینی مدارس مزید بہتر نتائج کے ساتھ اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔

احقر موجودہ مدارس کے نصاب میں کسی بڑی تبدیلی کا قائل نہیں، اس معنی میں کہ ان مدارس میں سائنسی علوم وفنون کے تخصص کا انتظام کیا جائے یا میڈیکل انجینئرنگ کی تعلیم دی جائے، یا موجودہ نصاب پڑھانے کے دوران ایف، اے اور بی، اے کے سرکاری امتحانات دلائے جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو یہ عمل دینی علوم میں رسوخ کے راستے میں یقینی رکاوٹ بن جائے گا اور دینی مدارس اپنی خصوصیت سے محروم ہو جائیں گے، جس کا ذکر میں نے آغاز میں کیا ہے، یہ ناچیز تبدیلی کے اس انداز کو غیر صحت مند تبدیلی سمجھتا ہے اور اسے یہ خدشہ لاحق ہے کہ یہ عمل دینی علوم میں استعداد کو ناقابل یقین حد تک کمزور کر دے گا، بندہ اس خدشہ کا اظہار مختلف مواقع پر اہل علم کے سامنے کرتا رہتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیا ہونا چاہیے؟ ناچیز کے خیال میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی آراء کی روشنی میں صرف جزوی اور بقدرِ ضرورت ترمیم وتبدیلی پر انحصار کیا جائے جو ''تخفیف، تیسیر اور محو واثبات'' کے تین مظاہر کی شکل میں ہو۔ چنانچہ دینی مدارس کے موجودہ نظام میں صرف چار مضامین کا اضافہ کیا جائے: (۱) تاریخ، (۲) تقابل ادیان، (۳) انگریزی زبان، (۴) معاشیات۔

مگر ان مضامین کے امتحانات سرکاری بورڈ یا کسی یونیورسٹی کے تحت نہ دلائے جائیں گے، اس لئے کہ اس طرح درس نظامی کے لئے مقررہ وقت میں سے بہت سا وقت امتحان کی تیاری اور امتحان دینے کے لئے صرف کرنا پڑے گا، جو بالآخر دینی علوم میں ناپختگی کا باعث بنے گا۔

دینی تعلیم کی دوسری شکل: دوسری شکل یہ ہے کہ اگر اہل مدارس دینی علوم میں رسوخ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ طلباء کو ایف اے، بی اے اور ایم اے کرانے کے واقعی خواہشمند ہیں تو اس کے لئے ایک نیا نظام ترتیب دینا پڑے گا، جس کا اجمالی خاکہ احقر کے خیال میں یہ ہے:

(۱) دینی مدارس کا جو موجودہ سلسلہ چل رہا ہے، اسے باقی رکھتے ہوئے ان مدارس میں مستقل شعبوں کی حیثیت سے یا الگ سے کچھ نئے اداروں کی داغ بیل ڈالی جائے۔

(۲) ان اداروں میں کم از کم میٹرک پاس طلبہ کو داخلہ دیا جائے، یا طلبہ کے لئے ان اداروں کے اندر میٹرک تک تعلیم کا انتظام موجود ہو۔

(۳) ان اداروں میں تعلیمی سال کا دورانیہ مدارس کے موجودہ تعلیمی سال سے لمبا ہو، اس سلسلے میں تجویز یہ ہے کہ شوال کے پہلے عشرے میں ہی تعلیمی سال کا آغاز ہو جائے اور شعبان کے آخر تک جاری رہے۔

(۴) دینی اور عصری علوم کی تدریس اور مذاکرے کے لئے الگ الگ وقت مقرر ہو۔

(۵) پورے کورس کے لئے میٹرک کے بعد آٹھ یا دس سال کا دورانیہ مختص کیا جائے۔

(۶) اس قسم کے کسی ادارے کے انتظامی امور میں فیصلوں کا اختیار جن افراد یا جس فرد کو حاصل ہو، اس میں تین شرطیں لازمی طور پر موجود ہوں:

(الف) دینی علوم میں پختگی کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے واقفیت۔ (ب) احکام شریعت کی مکمل پیروی اور برے اور قابل ترک کاموں سے اجتناب۔ (ج) منتظمین میں سے چند یا کوئی ایک ان ذمہ داریوں کو "فل ٹائم جاب" کے طور پر انجام دیں، محض جز وقتی سرپرستی سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔

(۷) مدرسین کے انتخاب میں دو شرطیں لازمی طور پر ملحوظ رہیں:

(الف) ان میں شریعت کے احکام پر عمل کا اہتمام ہو اور منکرات ونواہی سے بچے رہنے کا التزام۔ اس سلسلے میں عصری مضامین کی تعلیم دینے کے لئے مدرسین کو قطعاً کوئی رعایت نہ دی جائے۔ (ب) متعلقہ مضامین پر اساتذہ کو عبور حاصل ہو، اور وہ مطلوبہ سند کے بھی حامل ہوں۔

زیر بحث دینی تعلیمی اداروں کے منتظمین ومدرسین کے لئے جن شرائط کا ابھی ذکر کیا گیا ہے، بعض جدت پسند طبائع کو یہ شرائط ناگوار گزرتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شرائط تجربات کے بعد عرض کی جارہی ہیں کیونکہ اس سے پہلے جہاں جہاں اس قسم کے ادارے قائم کرنے کی کوشش کی گئی، اور ان میں ذکر کردہ شرائط ملحوظ نہیں رکھی گئیں وہ ادارے یا تو بند ہو گئے یا ان سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوئے اور زیادہ ادارے آل کار محض عصری علوم میں پڑھانے تک محدود ہو گئے ہیں۔

مطلوبہ نتائج سے میری مراد بیک وقت تین باتوں کا پایا جانا ہے: (۱) دینی علوم میں پختگی..... (۲) عقائد وافکار کی درستگی اور اعمال صالحہ کا اہتمام..... (۳) عصری علوم میں نمایاں کارکردگی۔

ذکر کردہ شرائط کے حوالے سے بعض حضرات کا علماء کرام پر یہ اعتراض ہے کہ "علماء اپنے آپ کو دین کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں اور منتظمین کے لئے اس قسم کی شرائط کا عائد کرنا اسی 'ٹھیکیداری' اور 'اجارہ داری' کے جذبے کا اظہار ہے، یہ حضرات کسی کی ماتحتی میں کام کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں"۔ اس پر بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ علماء دین کے ٹھیکیدار نہیں لیکن بعض بزرگوں کے بقول دین کے پہرے دار ضرور ہیں اور یہ ٹھیکیداری نہیں، پہرے داری کے جذبے کا اظہار ہے؛ پہرے داری کا ہمہ وقتی تجربہ انہیں یہ بتاتا ہے کہ مطلوبہ شرائط کی پاسداری کئے بغیر جہاں بھی اس قسم کے دینی تعلیمی ادارے قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ دینی تعلیم کی جس صورت کا میں اب ذکر کر رہا ہوں، یہ صورت بعض مقامات پر روبہ عمل ہے۔ ان میں سے بعض کوششوں سے بندہ براہ راست واقف ہے:

✿ ان میں سے ایک کوشش جامعۃ الرشید کراچی میں "کلیۃ الشریعۃ" کے عنوان سے موجود ہے اس کلیہ میں گریجویٹ طلباء کو داخلہ دیا جاتا ہے، ان کے لئے ایک نیا کورس ترتیب دیا گیا ہے اور اس کلیہ کے منتظمین میں مطلوبہ

شرائط بدرجہ اتم موجود ہیں، مشاہدہ کی بنیاد پر عرض کرتا ہوں کہ جامعۃ الرشید کے کلیۃ الشریعۃ کے نوجوان علماء الحمدللہ علمی رسوخ، عصری ضرورتوں سے آگاہی، دردِ دل اور قوت کاری کی دولت سے پوری طرح بہرہ اندوز ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ میں مزید برکتیں عطا فرمائے اور ان کے کاموں کو امت کے لئے زیادہ سے زیادہ منفعت بخش بنائے اور انہیں اجر جزیل سے نوازے، مجھے امید ہے کہ ان کی کوششیں ان کے لئے پیچیدہ راہیں ہموار کریں گی۔

✿ برطانیہ میں بھی دو ایسے ادارے دیکھنے کی سعادت میسر ہوئی جن میں دینی اور عصری علوم کو یکجا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان میں سے پہلا ادارہ تو ''ابراہیم کمیونٹی کالج لندن'' ہے، مجھے اس کالج کی انتظامیہ، اساتذہ اور طلبہ سے ملنے، نصاب پر وقفے وقفے سے طویل مناقشہ کرنے اور طلبہ کا امتحان لینے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، تعلیم کی مدت اور دورانیے کی کمی اور تنگی کے باوجود یہ حضرات ''اے لیول'' کے ساتھ شرح ابن عقیل تک اسلامی اور عربی علوم پڑھاتے ہیں۔

میرے خیال میں یہ ایک غیر معمولی کارنامہ ہے، اگلے سال سے یہ کالج ڈگری لیول اور اسی کے ساتھ مشکوۃ شریف تک کی تعلیم شروع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس کے بعد ایم اے تک عصری تعلیم کے ساتھ دورۂ حدیث تک دینی تعلیم کا پروگرام بھی پیش نظر ہے۔

✿ انگلینڈ میں نوٹنگھم کے مقام پر ایک ادارہ ہے جس کا نام ''جامعۃ الہدیٰ'' ہے، یہ طالبات کا ایک ایسا رہائشی تعلیمی ادارہ ہے جس میں ''اے لیول'' تک دینی اور عصری علوم ایک ساتھ پڑھائے جاتے ہیں، مجھے اس ادارے کے نصاب پر نظر ثانی کرنے والی ایک طویل میٹنگ میں شرکت کا موقع ملا ہے لیکن یہاں کے تعلیمی ماحول اور نظام کو قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، تاہم بعض طالبات کے سرپرستوں اور ایک ثقہ عالم دین کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ انگلینڈ میں طالبات کے لئے قائم دینی تعلیمی اداروں میں جامعۃ الہدیٰ سرفہرست ہے۔

✿ اسی فہرست میں ایک نام ''ادارہ علوم اسلامی، اسلام آباد'' کا ہے، جس کی تأسیس اور گزشتہ بیس سال سے اس کی خدمت کی سعادت اس ناچیز کو حاصل ہے۔ یہ ادارہ اسلام آباد سے مری جاتے ہوئے ٹول پلازہ سے ذرا پہلے مری ہائی وے پر سوا نو ایکڑ زمین کے وسیع رقبے پر قائم ہے۔ اس ادارہ میں بالکل نئی تشکیل کے ساتھ چھٹی جماعت سے بی اے تک عصری علوم اور اعدادیہ سے دورۂ حدیث تک دینی علوم ایک ساتھ پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ ادارہ بیک وقت وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور فیڈرل بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن، اسلام آباد کے ساتھ ملحق ہے۔ چنانچہ اس میں وہ مکمل نصاب پڑھایا جاتا ہے جو وفاق المدارس العربیہ کے تحت دیگر دینی مدارس میں رائج ہے، اور چھٹی سے بی اے تک حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نصاب کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کورس کے لئے ادارہ پرائمری پاس حافظِ قرآن طلبہ سے گیارہ سال اور میٹرک پاس طلبہ سے نو سال کا وقت لیتا ہے۔

ان اداروں کی کارکردگی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دینی اور عصری علوم کو اگر نئی تشکیل کے ساتھ نسبتاً زیادہ وقت میں ضروری شرائط ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھایا جائے تو یہ ممکن ہے اور یہ وقت کی ضرورت بھی ہے، البتہ اس سلسلے میں، احقر یہ بات پھر عرض کرنا چاہتا ہے کہ اس کے لئے دینی مدارس کے موجودہ نظام کو نہ چھیڑا جائے بلکہ انہیں اپنے حال پر معمولی تبدیلیوں کے ساتھ جاری رکھا جائے۔ نیا تجربہ الگ سے کیا جائے، اس کے لئے وہ ادارے مثال بن سکتے ہیں جن کا میں نے ابھی ذکر کیا۔

دینی تعلیم کی تیسری شکل: اب میں دینی تعلیم کی تیسری شکل کے بارے میں اپنی معروضات پیش کروں گا، وہ شکل یہ ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں، وہاں ابتداء سے لے کر یونیورسٹی تک عصری تعلیم کے معیاری ادارے قائم کئے جائیں، جن میں مروجہ عصری نصاب کی تعلیم دی جائے (باستثناء ان مضامین کے جن کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے) اور ساتھ ساتھ ضروری دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہو۔ اس قسم کے اداروں کی انتظامیہ میں جن افراد کو فیصلوں کا اختیار حاصل ہو، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کے ساتھ غیر متزلزل وابستگی رکھتے ہوں، اپنی زندگیوں میں انہوں نے دین کو نافذ کیا ہو۔ اس قسم کے اداروں کا مقصد عصری علوم میں استعداد پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اچھے مسلمان پیدا کرنا ہے، اس لئے منتظمین میں مذکورہ بالا علوم میں استعداد پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اچھے مسلمان پیدا کرنا ہے، اس لئے منتظمین میں مذکورہ بالا شرائط کا موجود ہونا نہایت ضروری ہے۔ پھر ایسی شرائط کے حامل افراد جز وقتی ذمہ داری ادا کرنے پر اکتفانہ کریں بلکہ کم از کم کوئی ایک فرد کل وقتی جاب کی طرح اپنی ذمہ داری پوری کرے، تاکہ ادارے کے مقصد تاسیس کی صحیح نگہبانی ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ نگہبانی ہمہ وقتی نگرانی کے بغیر کما حقہ نہیں ہو سکتی۔

ایسے اداروں میں مدرسین کے انتخاب میں بھی دین کو بنیادی شرط کا درجہ دینا ضروری ہے۔ عقیدہ، علم اور عمل، تینوں اعتبار سے مدرسین کو دین اسلام کی حسین تعلیمات کا بہترین نمونہ ہونا چاہیے، کیونکہ اس قسم کے اداروں میں باقاعدہ دینی تعلیم نہیں ہوگی، اس لئے طلبہ کو سیرت وکردار کے اعتبار سے اچھا مسلمان بنانے کا کام اساتذہ کو اپنے حسن کردار کے ذریعے کرنا پڑے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ مدرسین اپنے متعلقہ مضامین میں بھی ماہر ہوں، اعلیٰ ترین عصری اداروں کے ہم پلہ وہم معیار ہوں، اس سلسلے میں انتظامیہ کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ایسے اوصاف کے حامل اساتذہ کو معاصر تعلیمی اداروں کے مدرسین سے قدرے زیادہ مشاہرہ دیں اور انہیں وہ قانونی تحفظ بھی فراہم کریں جو اس معیار کے پرائیویٹ اداروں کو حاصل ہے۔

تعلیم کی یہ تیسری شکل وقت کی بڑی اہم اور بنیادی ضرورت ہے، پورے عالم میں مسلمانوں کی نئی نسل فکری یلغار کی زد میں ہے۔

☆☆.....☆☆